بنگلہ دیش کی جیل سے پیغام

پروفیسر غلام اعظم

۱۱ جنوری ۲۰۱۲ء کو 'انٹرنیشنل کرائمز ٹریبونل' ڈھاکہ نے پروفیسر غلام اعظم کی ضمانت کی درخواست خارج کردی اور انھیں گرفتار کر کے جیل بھجوا دیا۔ ٹریبونل کے سامنے پیش ہونے سے پہلے انھوں نے قوم کے نام اپنا ایک تحریری پیغام، اپنے معاونِ خصوصی جناب نظم الحق کے سپرد کرتے ہوئے کہا کہ اگر مجھے گرفتار کرلیا جائے تو میرا یہ پیغام پریس کے ذریعے قوم تک پہنچا دیا جائے۔ (ترجمہ: ایس اے جہاں/ ابن حیدر)

۲۰۰۹ء میں بنگلہ دیش میں جو حکومت برسراقتدار آئی ہے، وہ خوفِ خدا رکھنے والے اہلِ ایمان کے سخت خلاف ہے۔ اسی لیے وہ بنگلہ دیش میں اسلامی جماعتوں کو کالعدم کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ اس گھناؤنے مقصد کے حصول کے لیے، ۱۹۷۳ء میں طے پانے والے معاملات کو پھر زندہ کیا جارہا ہے۔ جماعت اسلامی کے سرکردہ رہنماؤں کو گرفتار کرلیا گیا ہے۔ نام نہاد 'انٹرنیشنل ٹریبونل' کے ذریعے، ایک خود ساختہ 'جنگل کے قانون' کے تحت انھیں کڑی سزائیں دینے کی سازش کی جارہی ہے۔ اسی قانون کے تحت ایک تفتیشی ادارہ بنایا گیا، جس نے میرے خلاف بھی ۶۲ الزامات تیار کیے ہیں۔ مجھے اندازہ ہے کہ جیل بھیجنے کے بعد میرے خلاف یک طرفہ جھوٹے پروپیگنڈا کا طومار باندھا جائے گا جب اپنی بات عوام تک پہنچانے کا کوئی ذریعہ میرے پاس نہیں رہے گا۔ اس لیے میں نے پیغام لکھ دیا ہے تاکہ گرفتار ہونے سے پہلے میں اپنا موقف اپنے ہم وطنوں کے سامنے پیش کردوں۔ حال ہی میں یہاں کے کئی ٹیلی ویژن چینلوں نے میرا انٹرویو نشر کیا ہے، لیکن میں اس کے علاوہ بھی کچھ کہنے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔

نومبر ۲۰۱۱ء میں، میں ۸۹ سال کی عمر کو پہنچ گیا تھا اور اب میں ۹۰ سال کے پیٹے میں

ہوں۔ بڑھاپا سو بیماریوں کو ساتھ لاتا ہے اور میرے دائیں پاؤں اور بائیں گھٹنے میں مسلسل تکلیف رہتی ہے۔ اس مرض پر قابو پانے کے لیے مجھے دن میں دو مرتبہ exercise کرنا پڑتی ہے جس کے لیے میں کسی دوسرے فرد کا سہارا لینے پر مجبور ہوتا ہوں۔ میں اکیلا چل پھر بھی نہیں سکتا لہٰذا میں دائیں ہاتھ میں بیساکھی کا سہارا لے کر اور اپنا بایاں ہاتھ کسی کے کندھے پر رکھ کر نماز کے لیے مسجد جاتا ہوں۔ اس حالت میں غیر ضروری طور پر کہیں آ جا بھی نہیں سکتا۔ پھر بلڈ پریشر اور دیگر متعدد بیماریوں کے حوالے سے مجھے روزانہ کئی بار باقاعدگی سے دوائیاں لینی پڑتی ہیں۔ اس حال میں بھی حکومت مجھے جیل بھیج رہی ہے۔ میں اس سے پہلے چار بار جیل جا چکا ہوں۔ مجھے جیل یا موت سے کوئی خوف نہیں۔ الحمدللہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے ڈرتا نہیں۔ میں شہید ہونے کی تمنا لے کر ہی اسلامی تحریک میں شامل ہوا تھا۔ اب اگر اس جھوٹے مقدمے میں مجھے پھانسی پر بھی لٹکا دیا گیا تو مجھے شہادت کا درجہ ملے گا، جو یقیناً میرے لیے خوش قسمتی کا باعث ہوگا۔ اس عمر رسیدگی اور بیماریوں کی بھرمار کے ساتھ، جیل میں میرا وقت کس طرح گزرے گا، اس کو میں اپنے اللہ پر چھوڑتا ہوں۔ آپ لوگوں کو یاد ہوگا کہ ۱۱ برس پہلے یعنی ۲۰۰۰ء میں رضا کارانہ طور پر جماعت اسلامی کے امیر کی ذمہ داری سے از خود فراغت لینے کے بعد میں نے کبھی کوئی سیاسی بیان نہیں دیا۔ لیکن گذشتہ کچھ دنوں سے میرے خلاف میڈیا میں جو جھوٹا، بے بنیاد اور من گھڑت پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اس سلسلے میں سچائی کو سامنے لانے کے لیے مجھے کچھ کہنا چاہیے۔

میں پیدائشی لحاظ سے اس ملک کا باشندہ ہوں۔ ۱۹۲۲ء میں لکشمی بازار ڈھاکہ میں اپنے ننھیال میں پیدا ہوا۔ میٹرک اور انٹرمیڈیٹ کا امتحان بھی ڈھاکہ ہی کے تعلیمی اداروں سے پاس کیا، اور پھر ڈھاکہ یونی ورسٹی سے بی اے اور ایم اے (سیاسیات) مکمل کیا اور طلبہ سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ ۱۹۴۷ اور ۱۹۴۹ء میں لگاتار دو بار میں ڈھاکہ یونی ورسٹی کی سٹوڈنٹ یونین کا جنرل سیکرٹری منتخب ہوا۔ میں فضل الحق مسلم ہال کی سٹوڈنٹس یونین کا سیکرٹری جنرل بھی رہا۔ نومبر ۱۹۴۸ء میں بنگلہ زبان کو بھی پاکستان کی قومی زبان کا درجہ دلانے کا میمورنڈم، میں نے خود اس وقت کے وزیراعظم پاکستان نواب زادہ لیاقت علی خاں کو پیش کیا تھا۔ اسی تحریک کی قیادت کرنے کی وجہ سے ۱۹۵۲ء اور ۱۹۵۵ء میں دو دفعہ گرفتار ہوا اور جیل کاٹی۔ میں نے ۱۹۵۴ میں، جماعت اسلامی

میں شمولیت اختیار کی اور یوں میری سیاسی زندگی کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

● **سیاسی جدوجہد**: متحدہ پاکستان میں ۱۹۵۵ء سے لے کر ۱۹۷۱ء تک میں نے تمام جمہوری تحریکوں میں حصہ لیا۔ سی او پی (کمبائنڈ اپوزیشن پارٹیز)، پی ڈی ایم (پاکستان ڈیموکریٹک موومنٹ)، ڈی اے سی (ڈیموکریٹک ایکشن کمیٹی) کی سرگرمیوں میں میرا بڑا مؤثر کردار رہا۔ شیخ مجیب الرحمٰن اور دیگر سیاسی لیڈرشپ کے شانہ بشانہ میں نے جمہوریت کے لیے کام کیا۔ ۱۹۶۴ء میں حکومت سے سیاسی اختلاف کے باعث میں گرفتار ہوگیا۔ ۱۹۷۰ء میں جب عوامی لیگ نے عام انتخابات میں بھاری کامیابی حاصل کی تو میں نے شیخ مجیب الرحمٰن اور اس کی پارٹی کو مبارک باد کا پیغام بھیجا اور ساتھ ہی ساتھ صدر پاکستان سے مطالبہ کیا کہ اقتدار بلا تاخیر کامیاب پارٹی کو منتقل کیا جائے۔ اس کے بعد مارچ ۱۹۷۱ء میں افراتفری کا ایک عالم برپا ہوگیا۔ صدر پاکستان کے ساتھ شیخ مجیب الرحمٰن کے سیاسی مذاکرات ہوئے۔ اس وقت شیخ مجیب الرحمٰن کے بہت قریبی ساتھی اور ان کی پارٹی کے مرکزی لیڈر رسید نذرالاسلام اور عبدالصمد آزاد کے ساتھ میرا مسلسل رابطہ رہا۔ دونوں نے مجھے یہ بتایا کہ صدر پاکستان کے ساتھ ہمارے مذاکرات ہو رہے ہیں، لہٰذا پاکستان ٹوٹنے کا کوئی خطرہ نہیں۔ عبدالصمد آزاد سے ۲۵ مارچ کو بھی ٹیلی فون پر میری گفتگو ہوئی اور انھوں نے مجھے تسلی دیتے ہوئے بتایا کہ پاکستان کے اتحاد اور خودمختاری پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ لیکن اسی رات ڈھاکہ میں ہونے والے فوجی آپریشن سے واضح ہو گیا کہ یحییٰ مجیب مذاکرات مکمل طور پر ناکام رہے تھے۔ فوجی آپریشن کے نتیجے میں عوامی لیگ کے پارلیمنٹ ممبروں اور پارٹی لیڈروں کی بڑی تعداد نے بھارت میں جا کر پناہ لے لی۔ لیکن دل چسپ بات یہ ہے کہ شیخ مجیب الرحمٰن نے بھارت جانے کی کوشش تک نہیں کی اور رضا کارانہ طور پر خود کو پاکستان آرمی کے سامنے پیش کر دیا۔ اگر وہ چاہتے تو بآسانی بھارت جاسکتے تھے لیکن وہ نہیں گئے۔ کیوں نہیں گئے؟ آج تک اس کی کوئی وضاحت سامنے نہیں آئی۔ لیکن یہ ضرور معلوم ہوا کہ عوامی لیگ کے جو ذمہ دار بھارت چلے گئے تھے وہ اس کی مدد سے مشرقی پاکستان کو، پاکستان سے کاٹ کر، ایک الگ ملک بنانا چاہتے تھے۔ ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں کامیاب ہونے والے عوامی لیگ کے ارکان اسمبلی بھارت چلے گئے تو اس وجہ سے ملک میں ایک خلا پیدا ہوگیا۔ اس سے عوام میں مایوسی اور بے بسی کی فضا تھی اور وہ اپنے مسائل لے

کر ہمارے پاس آنا شروع ہوگئے۔

۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۷۰ء تک ہندستان نے ہمارے ساتھ جو توسیع پسندانہ رویّہ روا رکھا، اس سے ہمیں یہ پورا یقین ہوگیا تھا کہ اگر مشرقی پاکستان، بھارت کی مدد سے بنگلہ دیش بنتا ہے تو اس کی حیثیت بھارت کی ایک طفیلی ریاست سے زیادہ نہ ہوگی۔ اس خدشے کے تحت بائیں بازو کے کچھ لوگ، دائیں بازو کی تمام جماعتیں اور شخصیات، علیحدگی کی اس تحریک میں شامل نہیں ہوئیں۔ اگر یہاں بھارت کی مداخلت نہ ہوتی تو شاید ہمیں اس تحریک میں شریک ہونے پر کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ اس وقت مشرقی پاکستان میں جو بھارت مخالف جماعتیں تھیں ان سب نے مل کر نورالامین کی رہایش گاہ پر، حالات کے جائزے کے لیے ایک اجلاس منعقد کیا۔ طویل تبادلۂ خیالات کے بعد طے پایا کہ جنرل ٹکا خان کے ساتھ ملاقات کر کے فوجی کارروائیوں کو رکوایا جائے تاکہ بے سہارا اور مظلوم لوگوں کی داد رسی ہو سکے۔ اس مشاورت کی روشنی میں، ہم سات آٹھ افراد کا ایک وفد لے کر جنرل ٹکا خان سے ملے۔ اس وفد میں، پاکستان ڈیموکریٹک پارٹی (PDP) کے نورالامین، جماعت اسلامی کی طرف سے راقم، نظام اسلام پارٹی کے مولوی فرید احمد، مسلم لیگ کی طرف سے خواجہ خیر الدین اور کسان مزدور عوامی پارٹی (KSP) کی طرف سے ایس ایم سلیمان شامل تھے۔ آج اسی میٹنگ کی تصویر کو عوامی لیگ میرے خلاف پروپیگنڈے کے طور پر استعمال کر رہی ہے جو اس وقت پریس کو جاری کی گئی تھی۔ اُن کا کہنا ہے کہ تصویر بھی بولتی ہے؟ اگر ایسا ہی ہے تو پھر خود شیخ مجیب کے ساتھ مولانا مودودیؒ اور میری جو میٹنگ ہوئی تھی اس کی تصویر بھی تو موجود ہے۔ ہماری اس میٹنگ میں شیخ مجیب کے ساتھ کیا گفتگو ہوئی؟ وہ شاید ان لوگوں کو معلوم بھی نہ ہو۔ جنرل ٹکا خان کے ساتھ ہماری تصویر کو ہتھیار بنا کر ہمارے خلاف جو ایک جھوٹا پروپیگنڈا کیا جارہا ہے اس میں دراصل کوئی جان نہیں ہے۔ ہم نے اس وقت عوامی جذبات کی بالکل صحیح نمایندگی کی تھی۔

۱۹۷۱ء میں جن سیاسی لیڈروں نے اپنے اصولی موقف کی بنا پر، بھارت میں پناہ نہیں لی، انھوں نے اس مشکل گھڑی میں مشرقی پاکستان ہی میں رہ کر اپنے آپ کو عوام کی خدمت میں کھپا دیا۔ عوام کے منتخب نمایندے جب عوام کو بے یارو مددگار چھوڑ کر بھارت چلے گئے تو ہم لوگ ہی عوام کے مسائل حل کرنے کے لیے کام کرتے رہے۔ میں نے ۱۴ر اگست ۱۹۷۱ء کو ڈھاکہ یونی ورسٹی کے

کارجن ہال میں منعقدہ ایک میٹنگ میں فوجی آپریشن پر سخت تنقید کی اور فوری طور پر اس کو روکنے کا مطالبہ کیا۔ اس طرح 'ڈھاکہ بیت المکرّم' (نیشنل مسجد آف بنگلہ دیش) کے سامنے بھی ایک جلسے میں، مَیں نے اس بات کو دہرایا تھا۔ لیکن میری یہ بات پریس میں چھپنے نہیں دی گئی، کیونکہ اس وقت اس طرح کی خبروں پر پابندی لگی ہوئی تھی۔

● **جنگی جرائم کی حقیقت:** ان جنگی جرائم کا جو مسئلہ اس وقت اٹھایا جا رہا ہے اسے خود شیخ مجیب الرحمٰن نے حل کر دیا تھا۔ شیخ مجیب حکومت نے کڑی تفتیش کے بعد پاکستانی فوج کے ۱۹۵ افسروں اور دیگر فوجی عہدے داروں کو جنگی مجرم قرار دیا تھا۔ ان لوگوں پر مقدمہ چلانے کے لیے ۱۹ جولائی ۱۹۷۳ء کو پارلیمنٹ میں انٹرنیشنل کرائمز ٹریبونل ایکٹ پاس کروایا گیا۔ لیکن ۹/اپریل ۱۹۷۴ء کو دہلی میں بنگلہ دیش، بھارت اور پاکستان کے وزراے خارجہ کے سہ فریقی مذاکرات ہوئے جن کے نتیجے میں ان ۱۹۵ مجرم قرار دیے جانے والے افراد کو معاف کر دیا گیا۔ اہم بات یہ ہے کہ شیخ مجیب نے کبھی بھی کسی سویلین کو جنگی مجرم قرار نہیں دیا۔ جو لوگ بنگلہ دیش بنانے کی مہم میں شامل نہ تھے، بلکہ اس کے مخالف تھے اور پاکستان آرمی کے ساتھ تھے، مجیب حکومت نے ان لوگوں کو collaborator یعنی تعاون کرنے والا قرار دیا تھا۔ یہاں میں اس بات کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ۱۹۷۱ء میں پاکستان آرمی نے اپنی مدد کے لیے مقامی لوگوں پر مشتمل کئی تنظیمیں تشکیل دیں، ان عسکری تنظیموں میں البدر، الشمس اور رضا کار کے نام شامل ہیں۔ ان کی تشکیل رضا کارانہ اور اس وقت کی حکومت کی رضامندی سے ہوئی تھی۔ ان تنظیموں کے افراد کو بھی شیخ مجیب حکومت نے collaborator قرار دیا اور ان پر مقدمہ چلانے کے لیے ۲۴ جنوری ۱۹۷۲ء کو collaborator's order جاری کیا گیا۔ جس کے تحت ایک لاکھ لوگوں کو گرفتار کیا گیا تھا جن میں سے ۳۷ ہزار ۴ سو ۷۱ افراد پر الزامات عائد کیے گئے۔ لیکن ان میں سے بھی ۳۴،۶۲۳ کے خلاف کوئی ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے کوئی مقدمہ دائر کرنا ممکن نہ ہوسکا۔ آخر کار صرف ۲ ہزار ۸ سو ۴۸ افراد کے خلاف مقدمات بنے اور عدالت نے ان میں سے ۷۵۲ کے خلاف جرم ثابت ہونے پر، مختلف سزاؤں کے فیصلے دیے، جب کہ ۲ ہزار ۹۶ افراد کو باعزت طور پر بری کر دیا گیا۔ بعدازاں نومبر ۱۹۷۳ء میں حکومت کی طرف سے عام معافی کا اعلان کر دیا گیا۔ جس کے نتیجے میں مذکورہ بالا مختلف سزا یافتہ بھی رہا ہو گئے۔

لیکن وہ لوگ جو قتل، عصمت دری، لوٹ مار اور آگ لگانے جیسے جرائم میں سزایافتہ تھے، ان کو عام معافی کا فائدہ نہ دیا گیا۔ پھراس عام معافی کو بھی دوسال گزرنے کے باوجود ان میں سے بھی کسی پر مقدمہ قائم نہ ہوا تھااور اس طرح عام معافی کا یہ استثنا بھی خود بخود ختم ہوگیا۔

اس وقت جن لوگوں کے خلاف کسی قسم کے جرم کے الزامات بھی نہیں لگائے گئے تھے اور وہ گرفتار بھی نہیں کیے گئے تھے حکومت آج ۴۰ برس گزرنے کے بعد ان بے گناہ لوگوں کو جنگی مجرم ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگارہی ہے۔

● **جماعت اسلامی ہی ہدف کیوں؟** یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ۱۹۸۰ء کے عشرے میں جمہوریت کی بحالی کے لیے جنرل حسین محمد ارشاد کی حکومت کے خلاف، جماعت اسلامی اور عوامی لیگ نے مل کر جدوجہد کی تھی۔ اس کے بعد ۱۹۹۴ء سے لے کر ۱۹۹۶ء تک خالدہ ضیا کی جماعت بی این پی کی حکومت کے خلاف جماعت اسلامی نے عوامی لیگ کے ساتھ مل کر عبوری حکومت کی تشکیل کے لیے جدوجہد کی جس کا مقصد بنگلہ دیش میں شفاف انتخابات کی راہ ہموار کرنا تھا۔ اس وقت جماعت اسلامی اور عوامی لیگ کی اس جدوجہد میں چھوٹی چھوٹی دوسری پارٹیاں بھی شامل تھیں۔ ان تمام جماعتوں کے سربراہان پر مشتمل ایک مشاورتی کمیٹی بنائی گئی تھی۔ یہ کمیٹی اس پوری تحریک کے پروگرامات کا شیڈول طے کرتی تھی۔ جماعت اسلامی اور عوامی لیگ کی قیادت اکٹھے بیٹھ کر میٹنگیں کرتی تھی۔ اس دوران کبھی کسی نے نہیں کہا کہ ہمارے درمیان کوئی جنگی مجرم بھی بیٹھے ہیں۔ فروری ۱۹۹۱ء میں بنگلہ دیش میں جو عام انتخابات ہوئے تھے، ان میں بی این پی اور عوامی لیگ میں سے کسی کو بھی اتنی سیٹیں نہیں ملی تھیں کہ وہ تنہا اپنے بل بوتے پر حکومت تشکیل دے لیں۔ عوامی لیگ کی قیادت حکومت قائم کرنے کی غرض سے جماعت اسلامی کے ووٹوں کی بھیک مانگنے، ہمارے پاس آئی تھی۔ عوامی لیگ کے ایک سینیر مرکزی رہنما امیر حسین عامو نے جماعت اسلامی کے سیکرٹری جنرل علی احسن مجاہد کو پیغام دیا کہ ہم لوگ پروفیسر غلام اعظم کو وزیر بنانے کے لیے تیار ہیں۔ کیا اس وقت عوامی لیگ کی نظر میں ہم جنگی مجرم نہیں تھے؟ اس کے بعد عوامی لیگ کی طرف سے بنگلہ دیش کی صدارت کے امیدوار جسٹس بدرالحید ر چودھری، جماعت اسلامی کا تعاون حاصل کرنے کے لیے میرے پاس آئے تھے۔ اس وقت بھی کسی نے نہیں کہا کہ یہ

لوگ ہمیں جنگی مجرم سمجھتے ہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اب ایسا کون سا واقعہ ہوگیا کہ ہم راتوں رات جنگی مجرم بن گئے۔

اکتوبر ۲۰۰۱ء میں ملک کے آٹھویں عام انتخابات منعقد ہوئے۔ ۳۰۰ کی پارلیمنٹ میں عوامی لیگ کو ۵۸ اور بنگلہ دیش نیشنلسٹ پارٹی کو ۱۹۷ سیٹیں ملیں۔ بی این پی کی اس کامیابی کا راز جماعت اسلامی اور دوسری دو چھوٹی پارٹیوں کا اس سے اتحاد تھا۔ اس اتحاد کی وجہ سے بی این پی کو ۲۰ فی صد زیادہ ووٹ ملے۔ اس الیکشن کے نتائج دیکھ کر عوامی لیگ کو اندازہ ہوگیا تھا کہ اگر جماعت اسلامی کو ختم نہ کیا گیا تو مستقبل میں اُن کے لیے اقتدار تک پہنچنا ایک خواب بن کر رہ جائے گا۔ عوامی لیگ نے جماعت اسلامی کے خلاف جنگی جرائم کے الزامات لگانا اور جھوٹا پروپیگنڈا کرنا شروع کر دیا۔ بنگلہ دیش بننے کے بعد جن لوگوں پر محض پاکستان کا ساتھ دینے کا الزام تھا، اب وہی لوگ جنگی مجرم قرار دیے جانے لگے۔ ۲۰۰۱ء سے پہلے عوامی لیگ نے کبھی بھی جماعت اسلامی کے لوگوں کو جنگی مجرم نہیں کہا لیکن ۱۹۷۳ء میں پاکستان کے آرمی افسروں اور دیگر فوجی عہدے داروں کے خلاف ٹرائل کرنے کے لیے جو قانون بنایا گیا تھا، اب اسی کو جماعت اسلامی کے خلاف استعمال کیا جارہا ہے۔ سوچنے کی بات یہ بھی ہے کہ عوامی لیگ ۱۹۷۱ء اور ۱۹۹۶ء میں دو دفعہ برسرِاقتدار آئی، اس دوران بھی عوامی لیگ نے جماعت اسلامی کی قیادت کو نہ تو جنگی مجرم قرار دیا اور نہ ان کے خلاف کوئی مقدمہ ہی بنایا۔ عوامی لیگ کے اس اقتدار کا دورانیہ ساڑھے آٹھ سال بنتا ہے۔ اس طویل دورانیے کے اقتدار میں بھی جماعت اسلامی کے خلاف جنگی جرائم کا الزام کیوں نہ لگایا گیا؟ کیا عوامی لیگ کے پاس اس کا کوئی جواب ہے؟

● **حکومت کے ناپاک عزائم**: حکومت نے اب جو قدم اٹھایا ہے اس کے پیچھے کوئی نیک مقاصد نہیں بلکہ ناپاک سیاسی مقاصد ہیں۔ عوامی لیگ چاہتی ہے کہ جماعت اسلامی کی قیادت کو ختم کر کے ایسے حالات پیدا کیے جائیں کہ آیندہ الیکشن میں جماعت اسلامی کوئی مؤثر کردار ادا نہ کر سکے اور عوامی لیگ کو ۲۰۰۱ء کی طرح شرم ناک شکست کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

بغاوت کے اس مقدمے کو جس کالے قانون کے تحت آگے بڑھانے کی کوشش کی جارہی ہے، انٹرنیشنل لائیرز ایسوسی ایشن کے مطابق اس میں ۱۷ کمزوریاں پائی گئی ہیں۔ 'سونار گاؤں ہوٹل

ڈھاکہ' میں وکلا کی اس تنظیم کی جو کانفرنس ہوئی ہے، اس میں بزرگ قانون دان جسٹس ٹی ایچ خان نے کہا تھا: ''یہ قانون سراسر جنگل کا قانون ہے۔ جس طرح کسی جانور کو باندھ کر ذبح کیا جاتا ہے، اس قانون کے تحت ملزمان کے ساتھ یہی سلوک کیا جائے گا۔ انٹرنیشنل کرائمز ٹریبونل کے نام کے ساتھ 'انٹرنیشنل' کا لفظ ہی ایک کھلا مذاق ہے کیونکہ اس کا کسی انٹرنیشنل معیار کے ساتھ دور دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے''۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے بھی وزیراعظم شیخ حسینہ کو خط لکھ کر متوجہ کیا ہے کہ اس قانون میں ترمیم کرکے اس کو حقیقی طور پر انٹرنیشنل معیار پر لایا جائے لیکن شیخ حسینہ حکومت نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی۔ کیونکہ اگر اس ٹریبونل کے قوانین کو انٹرنیشنل معیار کے مطابق بنایا جائے تو جماعت اسلامی کے کسی لیڈر کو کوئی سزا نہیں دی جاسکے گی، کوئی جرم ثابت ہی نہیں کیا جاسکے گا، اور جماعت کے ذمہ داران میں سے کوئی مجرم ہی قرار نہیں پائے گا۔

۱۳ اکتوبر ۲۰۱۰ء 'سونار گاؤں ہوٹل ڈھاکہ' میں بنگلہ دیش سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن نے بھی ایک سیمی نار کا اہتمام کیا تھا۔ اس سیمی نار سے خطاب کرتے ہوئے، انگلینڈ کے مشہور قانون دان اسٹیفن نے، جو انٹرنیشنل کرائمز کورٹ یوگوسلاویہ اور روانڈا کے وکیل بھی رہے ہیں، کہا تھا کہ جس قانون کے تحت یہ مقدمہ چلایا جارہا ہے وہ بنگلہ دیش کے دستور اور انٹرنیشنل قانون کے سراسر خلاف ہے، لہٰذا انٹرنیشنل کمیونٹی اس کو غیر جانب دارانہ تسلیم نہیں کرے گی۔ انھوں نے مزید کہا کہ جنگی جرائم کے مقدمے کو انٹرنیشنل معیار کے مطابق کرنے کے لیے شفاف دلائل درکار ہوں گے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ اس مقدمے کے ججوں کے تقرر میں فریقین کی رضامندی شامل ہونا لازمی ہے اور ان ججوں کا عالمی معیار کا ہونا بھی ضروری ہے۔ انھوں نے کہا کہ انٹرنیشنل قانون میں اس بات کو بالکل واضح کیا گیا ہے کہ کسی شخص کو ایسے جرم کی سزا نہیں دی جاسکتی کہ جس کی نشان دہی قانون کے مطابق اس وقت نہ کی گئی ہو، جب کہ یہ جرم سرزد ہوا تھا۔

● **مکارانہ ٹرائل**: اس کیس کی مدعی موجودہ حکومت ہے۔ ملزمان کے خلاف تفتیش کے لیے جو ادارہ بنایا گیا ہے، وہ بھی سرکاری پارٹی کے لوگوں پر مشتمل ہے۔ اس ٹریبونل کے لیے حکومت نے اپنے من پسند ججوں کا تقرر کیا ہے۔ ایک طرف کمزور اور جانب دار کالا قانون ہے اور دوسری طرف اپنے ہی لوگوں کے ذریعے تحقیقات اور پھر من پسند ججوں کا تقرر۔ ان حالات میں اگر کوئی یہ

کہے کہ انصاف ہوگا یا انصاف کیا جائے گا تو اس سے بڑی حماقت اور دھوکا اور کوئی نہیں ہوگا۔ عملاً جو ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ تفتیشی ٹیم اپنی پسند کے لوگوں کو اکٹھا کر کے، انھیں جھوٹی گواہی دینے کی مشق کرا رہی ہے۔ واقفانِ حال اور غیر جانب دار گواہوں کو تو یہ ٹیم پوچھتی بھی نہیں، بلکہ پولیس کے ذریعے ان کو ہراساں کر کے بھگانے کے لیے کوشاں رہتی ہے۔ یہ سب واقعات اخبارات میں بھی چھپ چکے ہیں۔ اس طرح ٹریبونل کی یہ کارروائی پہلے دن سے عوام کے نزدیک ایک مذاق بن کر رہ گئی ہے۔ حکومت کسی غیر جانب دارانہ انکوائری کے حق میں نہیں ہے۔ حکومت نے جو فیصلہ کرنا ہے، وہ ہو چکا ہے۔ بس اس کو لاگو کرنے کے لیے یہ سب ناٹک کیا جا رہا ہے، لہٰذا ان مقدمات کا کیا فیصلہ ہوگا اس کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں۔

● **میرے خلاف تفتیشی عمل**: تفتیشی ٹیم نے کچھ دن پہلے میرے خلاف ایک چارج شیٹ تیار کر کے ٹریبونل میں پیش کی۔ اس میں ایک الزام یہ ہے کہ میں نے 'براہمن بریا' میں قتل عام کا حکم دیا تھا۔ حالانکہ میں ۱۹۷۱ء میں کبھی 'براہمن بریا' گیا ہی نہیں۔ ایک دوسرا الزام یہ ہے کہ ملٹری گورنمنٹ، رضا کار اور امن کمیٹی میری تجویز پر بنائی گئی تھیں۔ اسی طرح میرے خلاف ایک الزام یہ بھی ہے کہ میں نے بنگلہ دیش بننے کے بعد 'بحالی مشرقی پاکستان کمیٹی' بنائی تھی۔ سوال یہ ہے کہ یہ سب باتیں کس دلیل کی بنیاد پر کی جا رہی ہیں؟ ان تمام الزامات سے میرے خلاف کوئی جرم ثابت نہیں ہوتا، یہ محض تہمت ہیں۔ سراسر جھوٹ، بے بنیاد، خودساختہ، خیالی اور تصوراتی باتیں ہیں۔ ان کے پیچھے وہ لوگ ہیں جو سیاسی طور پر میرا مقابلہ کرنے میں ناکام رہے۔ اب وہی لوگ اپنا گھناؤنا مقصد پورا کرنے کے لیے یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ میں بار بار اور پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ دوٹوک الفاظ میں کہتا ہوں کہ یہ سب الزامات جھوٹے ہیں۔ اگر غیر جانب دارانہ ٹرائل ہو تو یہ سب الزامات ہوا میں اُڑ جائیں گے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں اپنی پوری زندگی میں جان بوجھ کر کبھی کسی غلط کام میں مبتلا نہیں ہوا، نہ میں نے کبھی ایسا سوچا۔ مرحوم شیخ مجیب الرحمٰن سمیت اس زمانے کے جو سیاسی قائدین میرے ہم عصر تھے وہ میرے کردار کے شاہد ہیں۔ آج جو لوگ میرے خلاف آواز اٹھا رہے ہیں وہ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ جان بوجھ کر جھوٹ بول رہے ہیں۔ اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف لوگ بھی میرے خلاف سرگرم عمل ہیں۔ لہٰذا اس ٹریبونل

سے انصاف کی کوئی اُمید نہیں ہے۔

● **بنگلہ دیش میں بھارتی کردار**: بنگلہ دیش بنانے میں، بھارت نے جو کردار ادا کیا، اس میں بھارت کے نقطۂ نظر سے بھارتی فوج کے کردار کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ بھارت خود بھی اس بات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ بنگلہ دیش کی آزادی کا حصول بھارت کا مرہونِ منت ہے۔ اس سلسلے میں بھارت کا کہنا ہے کہ ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو پاکستانی فوج نے بھارتی فوج کے سامنے ہتھیار ڈالے تھے، بنگالیوں کے سامنے نہیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ خود 'بنگلہ دیش فریڈم فائٹرز' کی اعلیٰ قیادت جنرل عثمانی کو بھی ہتھیار ڈالنے کی تقریب میں آنے سے روک دیا گیا۔ اسے وہاں پہنچنے ہی نہیں دیا گیا۔ تقریباً ایک لاکھ جنگی قیدیوں کو بنگلہ دیش میں رکھنے کے بجائے بھارت میں لے جا کر رکھا گیا اور پاکستانی فوج کا اسلحہ اور دیگر جنگی ساز و سامان انڈین آرمی لوٹ کر لے گئی۔ حالانکہ یہ سب کچھ پاکستان اور بعد ازاں بنگلہ دیش کا اثاثہ تھا۔ بات یہیں ختم نہیں ہوتی۔ بھارت نے پورے ملک میں لوٹ مار کی۔ بنگلہ دیش ریلوے کا سامان لوٹ کر اسے کھوکھلا کر دیا۔ یہاں تک کہ ڈھاکہ یونی ورسٹی کے ہالوں (Halls) کا سامان تک بھارت نے لوٹ لیا۔ اصل میں بھارت ۱۹۷۱ء کی جنگ میں، بنگلہ دیش کی آزادی کے لیے نہیں کودا تھا، بلکہ مغربی پاکستان سے مشرقی پاکستان کو الگ کر کے، اپنے سب سے بڑے دشمن پاکستان کو کمزور اور بنگلہ دیش کو اپنا غلام بنانے کے لیے لپکا تھا۔ گذشتہ ۶۵ سال کا بھارتی رویہ اس حقیقت کا ثبوت ہے۔

آپ ذرا غور کریں اور دیکھیں کہ ہم بھارت کے اس سامراجی کردار کے بارے میں جن خدشات کا اظہار ۱۹۷۱ء میں مسلسل کر رہے تھے --- کیا وہ آج حقیقت بن کر سب کی آنکھوں کے سامنے نہیں آگئے ہیں؟ گذشتہ ۴۰ برس میں بھارت نے بار بار ثابت کیا ہے کہ وہ ہمارا دوست نہیں، دشمن ہے۔ اپنے دعوے کے مطابق بھارت اگر ہماری آزادی کا حامی ہوتا تو چٹاگانگ Hill Track کے لوگوں کو بنگلہ دیش کے خلاف نہ اُکستا۔ انھیں بھارت لے جا کر عسکری تربیت نہ دیتا اور پھر مسلح کر کے بنگلہ دیش کے خلاف استعمال نہ کرتا۔ اسی طرح بھارت اگر ہمارا دوست ہوتا تو پانی کے معاملے میں ہمارے ساتھ انصاف کرتا، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ بھارت کی آبی پالیسی اتنی ظالمانہ اور خود غرضانہ ہے کہ اس کی وجہ سے بنگلہ دیش ایک ریگستان بنتا جا رہا ہے۔ وہ اگر ہمارا ہمدرد

ہوتا تو بارشوں کے موسم میں اپنے دریاؤں کے پانی کو بنگلہ دیش کی طرف کھول کر ہماری فصلوں ،مویشیوں اور زمینوں کو غارت نہ کرتا، قیمتی انسانی جانوں کو ضائع نہ کرتا۔ یہ ہمارا کیسا دوست ہے! ہر روز انڈین بارڈر سیکورٹی فورس ،بنگلہ دیش کے لوگوں کو جانوروں کی طرح گولیوں کا نشانہ بناتی ہے۔لیکن بھارت نواز شیخ حسینہ حکومت ، بھارت کے اس وحشیانہ عمل کے خلاف حرفِ شکایت تک زبان پر نہیں لاتی ۔اس کے برعکس اسے بنگلہ دیشی بری، بحری اور فضائی راستوں سے ساز وسامان کی رسد کی سہولیات فراہم کررکھی ہیں۔اس کے علاوہ بھارت کو چٹا گانگ اور منگلہ بندرگاہ کے استعمال کی اجازت دی ہوئی ہے۔ اپنا سب کچھ بھارت کے سپرد کر دینے کے بعد بھی کیا بنگلہ دیش کی آزادی اور خودمختاری محفوظ رہ سکتی ہے۔؟ یہ وہ حقائق ہیں جن کی بنیاد پر بنگلہ دیش کے محبّ وطن لوگ بھارت کو اپنا دوست نہیں سمجھتے ۔منصفانہ طور پر اگر عوامی رائے معلوم کی جائے تو عوام کی بھاری اکثریت بھارت کے خلاف ہے۔بنگلہ دیش کے تقریباً چاروں جانب بھارت ہے۔ اگر بنگلہ دیش پر جارحانہ حملے کا امکان اور خطرہ صرف اور صرف بھارت ہی کی طرف سے ہے۔افسوس کا مقام ہے کہ بھارت تو ہمارا دوست نہیں ،لیکن شیخ حسینہ حکومت کا رویّہ بھارت کے حق میں عاشقانہ ہے۔ بھارت کے اس حریفانہ رویّے کی عملی مزاحمت تو کجا ،زبانی مذمت بھی نہیں کرتی ۔ بنگلہ دیش پر قبضہ جمانے کے لیے جو جو سہولیات درکار ہیں ،شیخ حسینہ حکومت نے وہ ساری کی ساری بھارت کی جھولی میں ڈال دی ہیں ۔اس کی نظیر دنیا میں شاید ہی کہیں اور ملے ۔ ہماری حکومت کو اپنے ملک و قوم کے مفاد سے زیادہ بھارتی مفاد عزیز ہے۔

● **تحریکِ پاکستان کے چند حقائق:** میں نہیں جانتا کہ آیندہ کبھی مجھے آپ سے مخاطب ہونے کا موقع ملے گا یا نہیں۔ میں آج اس موقع کو مناسب اور غنیمت سمجھتے ہوئے تحریکِ پاکستان کے متعلّق بھی کچھ حقائق بتانا چاہتا ہوں۔

۱۹۴۰ء کے عشرے میں جب دوسری جنگ عظیم برپا ہوئی تھی اس وقت برطانوی حکومت نے یہ اعلان کیا تھا کہ جنگ ختم ہوتے ہی ہندستان کو آزاد کر دیا جائے گا۔مسٹر گاندھی اور مسٹر نہرو نے انڈین کانگریس کی طرف سے اعلان کیا کہ انڈین نیشنلزم اور سیکولر ڈیموکریسی کی بنیاد پر ہندستان ایک ریاست ہے۔ بھارت میں جتنے بھی مذاہب کے ماننے والے لوگ ہیں وہ سب ہندستانی ہیں

اور ایک قوم ہیں۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ نہیں، ہندستان کے مسلمان ایک الگ قوم اور ہندو دوسری قوم ہیں۔ قائداعظم کی اس بات پر جن لوگوں نے لبیک کہا تھا ان میں بنگال سے حسین شہید سہروردی اور مسلم لیگ کے سرگرم کارکن شیخ مجیب الرحمٰن بھی شامل تھے۔ ان لوگوں کا موقف یہ تھا کہ ہندستان کی ۴۰ کروڑ آبادی میں سے ۱۰ کروڑ مسلمان اگر انگریزوں کی غلامی سے نکل کر باقی ۳۰ کروڑ ہندوؤں کی غلامی میں چلے جائیں گے تو آخر مسلمانوں کو ہندستان کی آزادی کا کیا فائدہ پہنچے گا۔

آخرکار مسلم نیشنلزم کی بنیاد پر مسلم اکثریتی علاقوں کو ساتھ ملا کر، علیحدہ 'پاکستان' کے نام سے ایک مسلم ریاست قائم کرلی گئی۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں پاکستان کے حق میں ۱۰ کروڑ مسلمانوں کے ووٹ دینے کے باعث ۱۹۴۷ء میں پاکستان آزاد ہوا۔ لیکن بدقسمتی سے پاکستان قائم ہونے کے بعد، پاکستان کو اس کی اسلامی نظریاتی بنیادوں سے ہٹا دیا گیا۔ اس سے مختلف علاقوں میں ناانصافی کے سبب محرومی پروان چڑھی۔ مشرقی پاکستان بھی اسی محرومی کا شکار ہوا۔ ایسی ہی ناانصافیوں اور محرومیوں کے باعث علیحدگی پسند تحریکیں وجود میں آتی ہیں۔ یہی اسباب بنگلہ دیش کی آزادی کی تحریک کی وجہ بنے اور ایک خوں ریز لڑائی کے بعد، مشرقی پاکستان، مغربی پاکستان سے علیحدہ ہوکر بنگلہ دیش کی شکل میں آزاد ہوگیا۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے کہ گذشتہ ۶۵ سال میں بھارت نے خود بھارتی مسلمانوں کے ساتھ جو ظلم و جبر روا رکھا ہوا ہے اگر پاکستان نہ ہوتا تو بنگلہ دیش کے مسلمانوں کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوتا۔ پاکستان بننے ہی کی وجہ سے مشرقی پاکستان میں زندگی کے ہر شعبے میں بے مثال ترقی ہوئی۔ ۱۹۴۷ء میں اگر پاکستان نہ بنتا تو بنگلہ دیش میں جو ترقی ہم آج دیکھ رہے ہیں یہ کبھی نہ ہوتی۔

● **بنگلہ دیش کا بحران اور اسلامی فلاحی ریاست:** بنگلہ دیش کے کروڑوں انسان، اللہ پر یقین رکھتے ہیں۔ آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت کرتے ہیں اور اللہ کی کتاب قرآن مجید کو مقدس جانتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہاں کے لوگوں کو اچھی طرح سے معلوم ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تعلیمات کو مکمل طور پر عملی زندگی میں نافذ کیا اور یوں ایک مثالی، اسلامی، فلاحی ریاست وجود میں آئی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اسلام پیش کیا

وہ محض رسم و رواج پر مشتمل نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب، انسانیت کی دنیاوی بھلائی اور آخرت کی نجات کے لیے نازل فرمائی ہے۔ اس پس منظر میں اگر دیکھا جائے تو بنگلہ دیش میں لادین سیکولر نظام کو اگر نافذ کرلیا گیا تو پھر اس میں اور انڈین کانگریس کے ہندستانی نیشنلزم میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ ۱۹۴۷ء میں ہندستان کی تقسیم اور ۱۹۷۱ء میں بنگلہ دیش کی آزادی سب کچھ بے معنی ہوکر رہ جائے گا۔ اس لیے بنگلہ دیش کے وجود کی بقا کی خاطر ہم لوگ بنگلہ دیش کو ایک آزاد، خوش حال اور اسلامی فلاحی ریاست بنانا اور دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد ہی بنگلہ دیش کی آزادی بامعنی ہوسکے گی۔ اگر ایسا نہ ہوا تو بھارت، بنگلہ دیش کو اپنا ایک صوبہ بنا کر چھوڑے گا۔ اس وقت بنگلہ دیش کی سیکولر حکومت، مسلم نیشنلزم کی بنیاد اسلام کو ختم کر کے، انڈین کانگریس کے انڈین نیشنلزم کو فروغ دے رہی ہے۔ میں اپنی قوم کے مسلم بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ آپ لوگ نظم و ضبط، صبر و تحمل اور اپنے جان و مال کے ساتھ اپنی یہ جدوجہد جاری رکھیں تاکہ بنگلہ دیش ایک اسلامی فلاحی ریاست بن جائے۔ یاد رکھیے کہ یہ ہمارے ایمان کا تقاضا ہے اور بنگلہ دیش کی آزادی کی واحد ضمانت بھی۔

بنگلہ دیش اس وقت شدید بحران سے گزر رہا ہے۔ قوم کے جو اہم مسائل ہیں اگر ان پر اتفاق و اتحاد نہ ہو تو قوم کی ترقی ناممکن ہوتی ہے۔ اس لیے میں تمام پارٹیوں اور تمام گروہوں کو یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ سب مل کر بنگلہ دیش کو ان بحرانوں سے نکالنے کی کوشش کریں۔ بحران کے اس دور میں انتشار نہیں، اتحاد چاہیے۔ اگر ہم صحیح معنوں میں کامیابی چاہتے ہیں تو ہمیں پیچھے مڑ کر دیکھنے کے بجاے آگے کی طرف دیکھنا اور بڑھنا چاہیے۔ میری دعا ہے کہ موجودہ حکومت اور مستقبل میں جو لوگ اس ملک کی باگ ڈور سنبھالیں گے وہ اپنے اندر اتحاد پیدا کریں، ملکی ترقی کے لیے کام کریں اور بنگلہ دیش کو ایک اسلامی فلاحی ریاست بنائیں۔ میں یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ حکمران طبقہ اپنے پارٹی اور ذاتی مفادات سے بالاتر ہوکر، باہمی حسد و بغض سے چھٹکارا پاکر، ملک و قوم کی بھلائی اور بہتری کے لیے کام کرے۔ ''قانون سب کے لیے ایک''، کا ماٹو اپنا کر سماجی انصاف قائم کرنے کے لیے قانونی دائرے میں رہتے ہوئے جو بھی جدوجہد ہوسکتی ہے وہ ضرور کریں اسی طرح سماجی تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے عوام کے حقوق کے تحفظ کے لیے جدوجہد جاری رکھیں۔ بزرگوں، غریبوں اور یتیموں کا خاص خیال رکھا جائے۔ آپ لوگوں کو یہ ذمہ داری بھی ادا کرنا ہوگی کہ اس

ملک کے لوگ جدید، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور محبّ وطن کی حیثیت سے پروان چڑھیں۔

میں یہ بات ایک دفعہ پھر واضح الفاظ میں بیان کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے کبھی بھی انسانیت کے خلاف کوئی کام نہیں کیا۔ معاشرے کے ایک خاص گروہ کے لوگ جو اندھا بن کر اور خودغرضانہ سوچ کے تحت، مجھے سیاسی اور سماجی طور پر نیچا دکھانے کے لیے، گذشتہ ۴۰ سال سے گھناؤنا پروپیگنڈا پھیلا رہے ہیں، ان کا مقصد سادہ لوح عوام کے دل میں میرے خلاف نفرت پیدا کرکے سیاسی فائدہ سمیٹنا ہے۔ انسانیت کے خلاف ،اگر میں سرگرم رہا ہوتا تو اس لمبے عرصے میں کسی نہ کسی عدالت میں میرے خلاف کوئی مقدمہ ضرور درج ہوتا۔ ۱۹۷۳ء میں شیخ مجیب حکومت نے غیر قانونی طور پر میری شہریت ضبط کی۔ لیکن ۱۹۹۴ء میں سپریم کورٹ کے فل بنچ نے اپنے متفقہ فیصلے کے ذریعے میرا یہ حق مجھے واپس دلایا کیونکہ میرے خلاف لگائے گئے تمام الزامات جھوٹ ثابت ہوئے تھے۔ عجیب تماشا یہ ہے کہ اب نئے سرے سے انھی پرانے الزامات کو دہرایا جارہا ہے۔

میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ میں جیل ،ظلم ،اذیت اور موت سے نہیں ڈرتا۔ موت اٹل ہے۔ اس سے فرار ممکن نہیں ۔ ہر ایک کو، ایک نہ ایک دن اس دنیا سے رخصت ہونا ہی ہوتا ہے۔ میرا اللہ پر ایمان ، آخرت پر یقین ہے اور میں تقدیر کو بھی مانتا ہوں ۔ میرا یہ بھی ایمان ہے کہ مشیّت الٰہی کے خلاف کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اللہ اپنے بندوں کے بارے میں جو بھی فیصلے کرتا ہے وہ یقیناً کسی نہ کسی حکمت پر مبنی ہوتے ہیں، لہٰذا مجھے موت کی دھمکیوں کی بالکل پروا نہیں۔ مجھے اپنے آپ پر اعتماد ہے کہ میں نے ہمیشہ عوام کے مفاد کے لیے کام کیا ہے۔ کبھی بھی ان کے مفادات کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا۔ ایسا لگ رہا ہے اور جس انداز سے یہ عدالتی کارروائی چلائی جارہی ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ انتہائی فیصلہ پہلے ہی سے کرلیا گیا ہے اور اب محض الزام تراشی کے ذریعے اس کے حق میں فضا تیار کی جارہی ہے۔ اپنی ۵۰ سالہ سیاسی زندگی میں، میں نے ملک میں بہت سارے سفر کیے ہیں۔ میں عوام ہی میں رہا ہوں۔ میں نے اپنے اخلاق سے لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لیے مجھے معلوم ہے کہ یہ حکومت میرے خلاف جو بھی الزام لگا رہی ہے عوام اس کو کبھی بھی تسلیم نہیں کریں گے۔ اگر یہ لوگ مجھے پھانسی بھی دیتے ہیں، جو ان کی خواہش ہے، تو بھی ہمارے عوام، مجھے اللہ کی راہ کا ایک سپاہی سمجھیں گے۔

آخر میں، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس ملک کے باشندوں کی دنیا اور آخرت کی بھلائی کے لیے، میں نے اپنی پوری زندگی کھپا دی۔ میں نے کسی خودستائی اور خودنمائی سے اپنے آپ کو ہمیشہ بالاتر رکھا ہے۔ میں اس ملک کی سیاسی تاریخ میں واحد سیاست دان ہوں جس نے مکمل سرگرم زندگی گزارنے کے باوجود، جماعت اسلامی کی امارت سے ازخود فراغت لینے کی مثال قائم کی۔ میں نے خدمتِ خلق کا صلہ نہ دنیا میں کسی سے مانگا ہے اور نہ کبھی مانگوں گا۔ میں ہمیشہ اس بات پر ڈٹا رہا ہوں کہ میرے لیے میرا اللہ ہی کافی ہے۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ میں نے اس قوم کی بھلائی کے لیے جو کچھ سوچا تھا اور جس کے حصول کے لیے سرتوڑ کوشش بھی کی ہے، نہ معلوم میں اس کو دیکھ بھی پاؤں گا، یا نہیں۔ میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اس ملک اور اس کے عوام کی اللہ تعالیٰ حفاظت کرے اور بنگلہ دیش کی آزادی، استحکام اور خودمختاری کو محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ اس ملک کے لوگوں کو اس دنیا میں شر سے بچائے اور آخرت میں سرخ روئی عطا فرمائے (آمین)۔ میں اپنے عزیز اہلِ وطن سے اس دعا کی اپیل کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے نیک اعمال قبول فرمائے اور میری خطاؤں سے درگزر فرمائے اور آخرت میں کامیابی سے ہم کنار کرے۔ (اب میں جماعت اسلامی کا کسی سطح کا بھی ذمہ دار نہیں ہوں، لہٰذا میرا یہ بیان میرا ذاتی بیان ہے۔ اس کا جماعت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔)

ایجنٹ حضرات سے گزارش

- توسیع اشاعت مہم میں اپنا کردار ادا کیجیے۔
- فروخت میں اضافے کی شعوری کوشش کیجیے۔
- سیلزمین کے ذہن سے کام لے کر تدابیر اختیار کیجیے۔
- زیادہ سے زیادہ افراد تک پہنچایئے۔
- زیادہ سے زیادہ بک اسٹالوں پر مناسب ڈسپلے کے ساتھ رکھوایئے۔
- رسالے کو پہنچانا گاہک کی نہیں، اپنی غرض سمجھیے۔
- مستعد سروس دیجیے۔
- وصولی کیجیے اور بروقت ادائگی کیجیے۔

ہر دفعہ آرڈر میں اضافہ ہو، یہی کارکردگی ہے!

ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن